داعیِ حق کی اخلاقی تربیت کا معیار

سید اسعد گیلانی صاحب

ایک داعی جو حق کی طرف دعوت دے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف ہی دعوت دیتا ہے، اس لیے کہ اِس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ اِس کا ایک خالق، مالک، آقا اور پروردگار ہے، اور وہی اِس کا مستحق ہے کہ اُس کی بندگی اور پرستش کی جائے، اور اُس کی مخلوق کا اُس کے ساتھ سب سے زیادہ سچا اور حقیقی تعلق بھی یہی ہے کہ وہ اپنے مالک اور خالق کی بندگی و عبادت کرے۔ اِس بات کو خالق و مالک نے خود بیان کیا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی بندگی اور عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

بالفاظ دیگر یہ مخلوق کے بہت سے کاموں میں سے ایک کام نہیں ہے، بلکہ یہی ایک کام اس کی پیدائش کا حقیقی مقصد ہے۔ اور انسانی کارناموں میں سے اصل اور برحق کارنامہ اگر کوئی ہے تو یہ کہ دنیا کے لوگوں کو مالک کے آگے جھک جانے اور اس کی بندگی بجالانے کی دعوت دی جائے۔

بندگیٔ رب کی دعوت دینے والا دنیا والوں میں سب سے زیادہ محترم معزز اور مقدس گروہ انبیاء کا گروہ تھا جس کے افراد اپنے اپنے دور اور اپنی اپنی قوموں میں مسلسل اور پیہم آتے رہے اور ایک ہی بات کی طرف سارے انسانوں کو بار بار دعوت دیتے رہے۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ "اے برادرانِ قوم اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔"

اس طرح انبیاء علیہم السلام، جو نوعِ انسانی کے سب سے زیادہ معزز، معتبر، محترم، اور مقدس افراد

تھے، اُن کے کام کا مرکزی نقطہ ہمیشہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی بندگی کی طرف بلانا رہا ہے۔ اور یہی دعوت انبیاء کے ساتھی اور ان کے راستے پر چلنے والے تمام صالحین بھی اپنے اپنے وقت میں دیتے رہے ہیں۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا کی نظر میں انسانیت کی ہدایت رہنمائی اور بھلائی کے لیے سب سے مقدّم کام یہی ہے کہ اس کے بندوں کو اُس کی بندگی کی طرف بلایا جائے۔ سائنٹفک دریافتیں، مشینوں کی ایجاد، انسانی سہولتوں میں اضافے کے کام، محتاج اور پریشان حال انسانوں کی مدد، تعلیمی اور رفاعی ادارے، امن کی سلامتی اور لوگوں کی بہبود کے سارے کام، دعوتِ دین کے اس کام کے آگے ہیچ پست اور دوسرے درجے کے کام ہیں۔ خدا کی نظر میں سب سے اعلیٰ و ارفع اور دنیا و آخرت میں انسانیت کی بھلائی اور بہبود کا عظیم ترین کام خدا کی بندگی کی طرف خدا کے بندوں کو دعوت دینا ہے۔ اس لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ بہترین صلاحیت کے لوگ اس کام کا بیڑا اُٹھا کر ہمہ تن اس میں لگ جائیں اور دین و دُنیا کے مختلف کاموں میں مصروف لوگ خدا کے اس کام میں اپنا اپنا حصہ ادا کریں اور اپنا فریضۂ بندگی بجا لائیں۔

لیکن جس طرح ہر کام کے لیے ایک خاص صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح اللہ کے بندوں تک اللہ کی بندگی کی دعوت پہنچانے کے لیے بھی ایک مخصوص صلاحیت اور تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ انبیاء کی تربیت تو اللہ تعالیٰ براہ راست خود کرتا رہا ہے۔ کبھی انفس و آفاق میں آیات الٰہی دکھا کر، کبھی فرعون کے گھر میں پال کر اور بھیڑ بکریاں چروا کر، کبھی کنویں اور جیل کے راستے سے تختِ شاہی تک پہنچا کر، اور کبھی غار و ہجرت کے مراحل طے کرا کے غلبۂ نظامِ اسلامی تک پہنچا کر۔ لیکن انبیاء کے بعد جس کسی کو بھی دعوت حق کا کام کرنا ہو اسے ایک خاص نوعیت کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے ایک مخصوص طرز کی تربیت کی ضرورت ہے۔ یہ تربیت علمی بھی ہوگی اور عملی بھی۔ اس کے بغیر دعوتِ دین کا کام احسن طریقے سے سرانجام دینا ممکن نہیں ہے۔

داعیٔ حق کی علمی تربیت

کوئی شخص جب تک یہی نہ جانتا ہو کہ حق کیا ہے، اس کا معیار کیا ہے، اس کی شناخت اور اس کی پہچان کیا ہے، اس کے خدوخال اور اس کا حدود اربعہ کیا ہے، وہ کس چیز سے منع کرتا ہے اور کون سا کام کرنے کا حکم دیتا ہے، اُس وقت تک اُس کے لیے نہ خود یہ یقین کرنا ممکن ہے کہ وہ حق پر ہے اور نہ دوسروں کو باور کرانا ممکن ہے کہ وہ حق ہی پیش کر رہا ہے، حق کے نام پر کوئی اور چیز پیش نہیں کر رہا ہے۔ اس لیے دعوتِ دین کے لیے حق جوئی، حق شناسی، حق آگاہی، اور حق پرستی، ساری صفات ضروری ہیں۔ اس کے بعد جو شخص

دعوتِ دین کا یہ کام کرنا چاہے اُسے مندرجہ ذیل اقدامات لازماً کرنے ہوں گے۔

۱۔ احساس وشعور کی بیداری ایک داعئ حق میں پہلے ہی قدم پر یہ احساس وشعور پیدا ہونا انتہائی ضروری ہے کہ وہ جس دین کی دعوت لے کر اُٹھ رہا ہے، اس کی اپنی زندگی بھی اس سے مطابقت رکھتی ہے یا نہیں۔ جہاں جہاں بھی وہ اپنا بے لاگ جائزہ لے کر کوتاہی محسوس کرے اُسے دُور کرنا چاہیے۔ یہ اس سے اس کے دین کا سب سے پہلا تقاضا ہے۔ اگر وہ دین کے اس مطالبے کو پورا کرنے سے عاری ہے تو جس جس پہلو سے وہ اس کا مطالبہ پورا نہیں کرتا اسی پہلو سے اس کی دعوت کا مخاطب بھی اس کی دعوت کی طرف سے غیر متاثر، بے نیاز اور بے پروا رہتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات کو حق کی ترازو میں تولے اور ہر کسر کو پورا کرنے کی اپنی سی کوشش کرے۔ اپنی طرف دیکھنا، اپنی ذات پر خود گرفت کرنا اور اپنی ذات کو لا کر اپنے ضمیر کے سامنے کھڑا کرنا اور ضمیر کی کسوٹی پر پرکھنا دعوتِ حق کا نقطۂ آغاز ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص جہاد پر جانے سے پہلے اپنی ہمت وطاقت اور اپنے اسلحہ کی جانچ پڑتال کرے۔ غرض اس کام کے لیے ایک باشعور اور بیدار ضمیر مطلوب ہے اور بیدار ضمیر کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنی نیکی پر خوش ہوتا اور اپنی بدی پر آزردہ اور نادم ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا اپنی بہن فاطمہؓ سے مار پیٹ کا واقعہ ان کے اندر احساس وشعور کی کروٹ کا واقعہ تھا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ان کی کمزور بہن جو کبھی ان کی کسی بات کے سامنے اُف نہیں کرتی تھی ایک خالص دینی معاملہ میں ان کے سامنے ڈٹ گئی اور یہ تک کہہ گزری کہ "عمرؓ جو چاہے کر لو لیکن اب اسلام دل سے نہیں نکالا جاسکتا"۔ تو ان کی بہن کا یہ پُرعزیمت جملہ اور ناقابلِ شکست رویہ ان کے اندر احساسِ خیر کی بیداری کا باعث بن گیا۔ عمرؓ بن خطاب کے اندر عمر فاروقؓ نے کروٹ لی اور انھوں نے محسوس کیا کہ کوئی خاص چیز ضرور ہے جس نے اُن کی بہن کو اتنا قوی کر دیا ہے کہ وہ اب اپنے بھائی کی پروا کرنے سے بھی بے نیاز ہے۔ اپنی بہن کی یہی جرأت آمیز بات ان کے اندر قبولِ حق کے لیے چنگاری کا کام کر گئی۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص حضورؐ اکرم کے ارشاد کے مطابق اپنے پانچ نکاتی جائزے کا اہتمام کرے کہ وہ اپنی عمرِ عزیز کس کام میں صرف کر رہا ہے، اپنا علم کس مقصد کے لیے کام میں لا رہا ہے، اپنی آمدنی کو کہاں کہاں سے حاصل کر رہا ہے اور اسے کس کس راستے میں صرف کر رہا ہے؟ اُس کی جسمانی اور ذہنی توانائیاں کس کس جگہ کام آ رہی ہیں، اور یہ کہ ان سب چیزوں میں ان کے خدا کا حصہ کتنا ہے تو یہ جائزہ ہی اس کے اندر اخلاصِ نیت، خشیتِ الٰہی اور دین کے لیے کام کرنے کا عزم پیدا کرے گا اور وہ دینِ حق کے داعی ومبلغ کی حیثیت سے کام کرنے کی خوبی سے آراستہ ہوجائے گا۔

۲۔ نیت کی درستی | شعور و احساس کی بیداری کے بعد دوسرا مسئلہ اللہ کے دین کے لیے کام کرنے کی نیت اور عزم کا ہے۔ جب تک آدمی صدق دل سے نیت کر کے خدا کے کام کی طرف رجوع نہ کرے اس کے خیالات اور ارادے اور اس کی توانائیاں سمت منزل اور ہدف سے محروم رہتی ہیں۔ اسلام میں نیتِ خیر کا مسئلہ عمل خیر سے پہلے بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ نیت کی خوبی عملِ خیر کو تقویت پہنچاتی ہے، اس میں خلوص اور بے لوثی پیدا کرتی ہے، اس کے کام کو بہتر انجام تک پہنچاتی ہے، اور انسان میں عزم، حوصلہ اور صبر پیدا کرتی ہے۔ نیت کے بغیر کوئی نیکی بھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔ اس لیے ایک مومن کو یہ طے کرنا بہت ضروری ہے کہ وہ اپنے اللہ کی بندگی کی دعوت اللہ کے بندوں تک پہنچانا چاہتا ہے اور اس کے اللہ کا اس کے ذمہ یہ حق ہے جسے ادا کیے بغیر اس کا فریضۂ بندگی ادا نہیں ہوتا۔ یہ وہ اجتماعی کام ہے جسے سرانجام دیے بغیر نیکی میں بھی استحکام اور استقلال پیدا نہیں ہوتا۔ ایک داعئ حق میں یکسوئی کے ساتھ یہ جذبہ بھی شدید ہونا چاہیے کہ وہ اپنے مالک کے دین کی دعوت اس کے تمام بے خبر اور گم کردہ راہ بندوں تک پہنچائے گا اور اس میں اپنی بہترین صلاحیتیں اور قوتیں بہترین انداز میں کھپائے گا۔ اس راستے میں آنے والی مشکلات سے ہرگز نہیں گھبرائے گا۔ اس لیے کہ مشکلات تو حق کے راستے کا زادِ راہ ہیں۔ مصائب اس راستے کا توشہ ہیں اور مخالفتیں اس راستے کا دستور ہیں۔ عزمی داعئ حق کی پہچان یہی ہے کہ وہ حق و صداقت کا پیغام لے کر خدا کے بندوں کی طرف جاتا ہے اور اگر ان کی طرف سے مزاحمت و مخالفت گالی گلوچ مار پیٹ اور پتھر بھی برسیں تو ان سب کو برداشت کرتا ہوا نتائج کو اپنے مالک کے حوالے کر دیتا ہے اور اس کام سے کسی رکاوٹ کے سبب بھی کبھی باز نہیں آتا۔

۳۔ علم حق و صداقت کا حصول | علم حق و صداقت دینِ اسلام ہے اور اس کے حصول کے دو سرچشمے ہیں: قرآن اور سنت۔ انسانوں کے مالک کی مرضی قرآن سے معلوم ہوتی ہے اور اس مرضی کو پورا کرنے کا طریقہ قرآن کے لانے والے رسول اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ سے سمجھ میں آتا ہے۔ ہمارا مالک ہم سے کیا چاہتا ہے اور کس طرح چاہتا ہے، یہ بات ہمیں قرآن اور رسول پاکؐ کی تعلیمات کو جانے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ایک داعئ حق کے لیے قرآن سے تعلق جوڑے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ یہ ایک ہی واحد کتابِ صداقت و ہدایت ہے اور اب ساری ہدایت اسی کے اندر ہے اس سے باہر کوئی ہدایت و صداقت نہیں ہے جو شخص ہدایت کا متلاشی اور صداقت کی پیروی کرنا چاہتا ہے وہ اس کتاب سے استفادہ کیے بغیر راہِ حق نہیں پا سکتا۔ زمین پر خدائے بزرگ و برتر کی یہ ایک ہی آواز ہے جس کی پکار پر قدم بڑھائے بغیر انسان فلاح کا راستہ نہیں پا سکتا۔ اس لیے قرآن کا پڑھنا اس

کے مضامین کو سمجھنا اور اس کی ہدایات کو زیادہ علم رکھنے والوں کی مدد سے اپنے اندر جذب کرنا، اسے حفظ کرنا اسے اپنے سینے میں محفوظ کرنا اور اس کے سانچے میں ڈھل جانے کی کوشش کرنا نہایت ضروری ہے۔ پھر اس قرآن کو لانے والے پاک اور معصوم انسان کے نقوشِ قدم پر چلنے کی سعی کرنا ہے اس لیے کہ وہی خدا کے مطلوبہ معیار کے کامل نمونے اور مکمل انسان ہیں اور جو شخص بھی خدا کی مرضی کو انسانی کردار میں منعکس دیکھنا چاہتا ہو وہ رسولِ پاک کے کردار اور اخلاق ہی میں دیکھ سکتا ہے اور جس کسی کو حق بولتے ہوئے اپنے کانوں سے سننا ہو وہ حضور اکرمؐ کے ارشادات کو سن سکتا ہے۔ غرض حق و صداقت کا سرچشمہ قرآن و سنت ہی ہیں۔

۴۔ مطالعہ سیرت صحابہ و صالحین خدا کے احکام اور رسول اکرمؐ کے کامل نمونے کو انسان جس بہترین انسانی سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھ سکتا ہے وہ صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے کردار ہمارے لیے نمونہ ہیں۔ جنہوں نے اپنی زندگیاں دعوتِ دین اور اشاعتِ حق کے لیے صرف کر دیں۔ جو صداقت کے پیکر، ہدایت یافتہ اور نیکی کے علمبردار تھے۔ جن کے کردار سے معروف نمایاں ہوتا اور منکر دبتا ہے۔ جن کے خصائل کے آئینے میں ہمیں معروف کے اہتمام اور منکر سے اجتناب کی بہترین مثال ملتی ہے۔ جو حق کے لیے جہاد کرنے والے، حق کے لیے گھر بار چھوڑنے والے، حق کے لیے زندگیاں کھپانے والے اور حق کے لیے اپنی زندگیوں کی ساری مادی متاع لگا دینے والے تھے۔ جن کے عمل سے ہمیں بھلائی کے راستے پر چلنے کے لیے رہنمائی ملتی ہے اور جن کے کام سے ہمیں اپنے کام میں مدد ملتی ہے۔ جنہوں نے حق ہم تک پہنچایا تو وہ ہم تک پہنچا اور جنہوں نے معروف و منکر کے فرق کو اپنے کردار سے عیاں کیا تو وہ ہم پر عیاں ہوا۔ ان کی خدا ترسی، خشیتِ الٰہی، حالات کی خوبی، عبادات کا انہماک، کردار کی بلندی، اللہ اور رسولؐ سے وفاداری، اور دین کے لیے قربانی و ایثار سے ہمارے سامنے درخشاں مثالیں قائم ہوتی ہیں اور جن کے نقشِ قدم پر چل کر ہم نقشِ ہدایت پاتے ہیں۔ ایک مدعیِ حق کے لیے ان کی زندگیوں کا مطالعہ کرنا اور ان کی زندگیوں کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنانا بے حد ضروری ہے۔

۵۔ تعلق باللہ ایک داعیٔ حق کے لیے سب سے مضبوط لنگر اپنے مالک کے ساتھ اس کا گہرا، جاندار، پائیدار اور مضبوط تعلق ہے۔ اس کا یہ احساس کہ وہ جس کا کام کر رہا ہے وہ اس کو دیکھ رہا ہے، اس کے فرشتے اس کی مدد کر رہے ہیں، اس کی پشت پناہی اسے حاصل ہے، وہ زندہ و پائندہ، حی و قیوم، قادرِ مطلق اور مختارِ کل ہستی کا کارندہ اور اس سے وابستہ ہے۔ وہ ہستی قدم قدم پر اس کی دستگیری کرتی ہے۔ وہ فرد فرد کے دل میں اس کی پذیرائی کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ وہ کھلے اور چھپے اندھیرے اور اجالے میں اس کی

نگران، محافظ اور پشت پناہ ہے۔ جس کی قدرت کاملہ سے باہر کوئی پر بھی نہیں ہلا سکتا۔ وہ اس کی زیر لب دعاؤں کو بھی سنتا ہے، اُس کے دل کے اضطراب کو بھی جانتا ہے۔ وہ ہستی اُس کے ساتھ ہے جس پر ایمان لانا ہر ایمان سے مقدم ہے۔ جس سے خوف کھانا ہر خوف سے مقدم ہے۔ جس کی رضا چاہنا دوسرے ہر کسی کی رضا سے مقدم ہے۔ جس کی عبادت میں انہماک دوسرے ہر انہماک سے مقدم ہے۔ جس سے گہرا تعلق ہر دوسرے تعلق سے مقدم ہے۔ وہی ہر دعوت کا مرکز، ہر دوڑ دھوپ کا محور، اور ہر ایثار و قربانی کا مقصود ہے، اس کی رضا کا حصول ہمارا سرمایۂ زندگی ہے اور اس کی رضا کے لیے ہمارا سب کچھ حاضر اور قربان ہے۔

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

غرض داعیِ حق میں یہ توانائی ہونی چاہیے کہ وہ اللہ کے لیے ہر محبت قربان کر سکے اور اس کی خاطر ہر غصہ برداشت کر سکے۔ اس کے لیے ہر نقصان گوارا کرے اور اس کی خاطر ہر نفع ترک کر دے۔ جو اس کے دشمن ہیں وہ ان کا دشمن ہو جائے اور جو اس کے دوست ہیں وہ ان کا خادم بن جائے۔ اس طرح مالک کی صفات کے ایک ایک پہلو پر غور و فکر کر کے اس سے محبت بھی کرے اور اس سے خوف بھی کھائے۔ اس کے احکام کی خلاف ورزی کے مقابلے میں آگ میں گر جانا اُسے قبول ہو اور اُس کا ذکر اسے ہر ذکر سے محبوب ہو۔ اُس کی بندگی کے لیے وہ نماز پڑھے۔ اُس کو خوش رکھنے کے لیے وہ روزہ رکھے اور اس کی رضا کے لیے وہ اُس کی راہ میں خرچ کرے۔ بس اپنے مالک کے ساتھ جب اس کا تعلق درست ہو جائے تو پھر داعیِ حق کے روحانی کردار کی بنیاد مضبوط ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے ضروری تقاضے پورے ہو جاتے ہیں۔

۶- محبتِ رسولؐ | اللہ کے بعد دوسری ہستی جس سے ایک داعیِ حق کے لیے بے پناہ محبت جزوِ ایمان ہے، وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے جنھوں نے انسانیت کو دوزخ کے گڑھے سے بچا کر جنت کے راستے پر ڈالا۔ جنھوں نے انسانوں کو تباہی سے ہٹا کر سلامتی کی طرف رہنمائی کی۔ جنھوں نے مصائب اُٹھا کر ہمارے لیے ایمان و اسلام اور رضائے الٰہی کے حصول کے مواقع پیدا کیے۔ جنھوں نے ہجرت اختیار کر کے ہمارے لیے کفر سے ایمان کی طرف آنے کا راستہ ہموار کیا۔ جنھوں نے کفر سے ٹکرا کر حق و باطل کا امتیاز نمایاں کیا۔ جو انسانیت کے قافلہ سالار اور رحمۃ للعالمین ہیں۔ جو قیامت تک کے لیے قافلہ انسانیت کے مستقل رہنما اور قائد برحق ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو تہذیب کا درس دیا۔ اس کو وحشت و درندگی سے شرافت و مدنیت کا سبق دیا۔ جہالت کے اندھیرے سے علم کی روشنی کی طرف رہنمائی کی۔ جنہوں نے ہمیں بہترین قانونِ عدل عطا فرمایا۔ انسانی مساوات دی۔ آقا و غلام کا فرق مٹایا۔ عورت کو بلند درجہ دے کر اُسے مرد کا ساتھی اور رفیق بنایا اور ماں کے پاؤں کے نیچے جنت کا نشان بنایا۔ جنہوں نے چھوٹوں کو بڑوں کا ادب سکھایا اور بڑوں کو چھوٹوں پر مہربانی اور شفقت کی تعلیم دی۔ جن سے بڑھ کر رحیم و کریم انسان نہ ان سے پہلے دنیا میں آیا اور نہ ان کے بعد آئے گا۔ جو سراپا رحمت، سراپا محبت و شفقت، اور مظلوموں یتیموں مسکینوں اور پس ماندہ انسانیت کے محافظ و سرپرست تھے۔ ہمارا ان سے محبت کرنا صرف اعترافِ احسان ہی نہیں بلکہ جزو ایمان بھی ہے اور جس دل میں ان کی محبت نہیں ہے اس میں ایمان کی رمق بھی موجود نہیں ہے۔ ایک داعیٔ حق کے لیے ان کی محبت مشعل راہ اور ان کی پیروی عزیمت و استقامت کا معیار ہے۔ یہی بات تھی جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا کہ اے عمرؓ جب تک میں تمہارے لیے تمہاری اپنی جان سے عزیز نہ ہو جاؤں تمہارا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔

۷۔ فکرِ آخرت | خدا اور رسولؐ کی محبت کے ساتھ ہی فکرِ آخرت بھی مومن کا جزو ایمان ہے۔ آخرت کو ترجیح دینا اور دنیا کے مقابلے میں آخرت کو سنوارنے کی کوشش کرنا داعیٔ حق کا فرضِ اوّلین ہے۔ وہ دنیا میں مگن لوگوں کو آخرت کی یاد دلاتا ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ حقیقی اور کامل زندگی آخرت کی ہے۔ دنیا اس کے مقابلے میں یوں ہے جیسے سمندر کے مقابلے میں شبنم ہوتی ہے۔ دنیا تو اچھے اور برے دونوں قسم کے لوگوں کی مخلوط آبادی ہے۔ لیکن آخرت میں جا کر دونوں کی آبادیاں الگ الگ ہو جانے والی ہیں۔ بُروں کے لیے دوزخ کی آبادی ہوگی اور وہ بڑی ہی ہولناک آبادی ہے۔ اور اچھوں کے لیے جنت ہوگی اور وہ بڑی ہی خوشگوار اور دل خوش کن آبادی ہے۔ آخرت میں جا کر دُنیا کی ساری آبادی ان دو آبادیوں میں تقسیم ہو جائے گی اور تقسیمِ آبادی کا اصول دنیا کی زندگی کا عمل ہوگا۔ کسی شخص نے دنیا میں کس طرح زندگی گزاری؟ خدا کا وفادار بندہ بن کر یا باغی اور سرکش انسان بن کر؟ اس کی زندگی اطاعت کی زندگی تھی یا بغاوت کی زندگی؟ یہی وہ فیصلہ کن سوال ہے جس پر آخرت کی کامیابی و ناکامی کا مدار ہے۔ دنیا میں اسی بات کا امتحان ہے کہ ایک شخص اپنے حقیقی مالک کو پہچانتا اور اس کی اطاعت کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ یہ کام دنیا میں ہی ممکن ہے۔ یہاں مالک حقیقی کی ذات آیات و علامات کے پردے میں پنہاں ہے اور اس کی طرف چلنے میں مصائب بھی آتے ہیں اور اس کی طرف جانے

میں شیطان کے خوشنما جال بھی رکاوٹ بنتے ہیں۔ آخرت کا احساس تو صرف ضمیر کرتا ہے اور دنیا کی شیرینیوں کا احساس انسان کا ظاہری رونگٹا رونگٹا کرتا ہے۔ یوں انسان کو امتحان میں ڈالا گیا ہے اور ایک داعیٔ حق کا کام یہ ہے کہ وہ حقیقت کو پہچانے اور راہِ راست پر خود بھی چلے اور دوسروں کو بھی اس راستے پر چلنے کی دعوت دے۔

آخرت کے احساس کی پرورش کے مختلف اور متعدد ذرائع ہیں جن میں سب سے اہم ذریعہ قرآن مجید کی آیاتِ انذار اور مناظرِ قیامت کا مطالعہ ہے۔ پھر احادیث میں کتاب الرقاق اور کتاب الفتن کا مطالعہ ہے۔ پھر بزرگوں کے احساسِ آخرت کو بیدار کرنے والے واقعات و احوال ہیں۔ پھر گاہے بگاہے گورِ غریباں میں جا کر آخرت کے مسافروں کے آخری نشانات قبروں کے درمیان کچھ وقت گزارنا ہے۔ پھر کبھی کبھی ہسپتال میں جا کر بیماروں سے ملاقاتیں اور ان کے حالات سے آگاہی ہے۔ اِسی طرح ایک داعیٔ حق آخرت کی فکر رکھنے والوں کے درمیان رہ کر فکرِ آخرت کا احساس زیادہ سے زیادہ پیدا کر سکتا ہے۔

داعیٔ حق کے کردار کا ایک قرآنی خاکہ

ہر مومن بنیادی طور پر تین شخصیتوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ وہ مسلم ہوتا ہے کہ زندگی کے سارے ہی معاملات میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا مطیع فرمان بن کر رہتا ہے۔ وہ مبلغ ہوتا ہے کہ دینِ حق کو بخیل کی طرح چھپا کر نہیں رکھتا بلکہ ساری انسانیت کے سامنے اس راہ ہدایت کو احسن طریقے پر پیش کرتا ہے۔ وہ سپاہی اور مجاہد ہوتا ہے اور ہر کام کو مستعدی اور چستی اور لگن سے کرتا ہے اور کسی کام میں بھی تساہل نہیں کرتا۔ اس لیے کہ اس کا تبلیغ دین کا عمل ایک مسلسل اور پیہم جہادِ اکبر ہے۔ حضورؐ نے غزوہ تبوک سے واپسی پر مدینہ کی طرف سفر کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ سے فرمایا تھا کہ ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس لیے کہ نفس کو اللہ کا مطیع فرمان بنا کر رکھنا اور اسے اللہ کی رضا کا تابع کرنا بہت بڑا جہاد ہے اور جہاد ہی مومن کی ساری زندگی کا شعار ہے۔

چنانچہ ایک مسلم، مبلغ اور مجاہد یعنی داعیٔ حق کی انفرادی زندگی کا جو نقشہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں جابجا پیش کیا ہے چند مقامات سے اس کی ایک ہلکی سی جھلک پیش خدمت کی جاتی ہے۔ سورۃ الفرقان میں مالک الملک نے اپنے خاص بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ رحمان کے اصلی بندے تو وہ ہیں جو:-

یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا - وہ زمین پر نرم چال چلتے ہیں۔

اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا - جاہل ان کے منہ آئیں تو سلام کہہ کر گزر جاتے ہیں۔

يَبِيتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۔ اپنے رب کے لیے سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔
اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۔ خرچ میں نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں۔ بس دونوں کے درمیان اعتدال رکھتے ہیں۔
لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۔ خدا کے سوا کسی اور کو معبود بنا کر نہیں پکارتے۔
لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۔ کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے۔
لَا يَزْنُوْنَ ۔ زنا نہیں کرتے۔
لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۔ جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے۔
اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۔ لغو چیز پر گزر ہو تو شریفانہ گزر جاتے ہیں۔
پھر سورۂ المومنوں میں ان کی علامات یہ بتائیں:۔
هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۔ اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔
هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۔ زکوٰۃ پر عامل ہوتے ہیں۔
هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔
هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۔ اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس کرتے ہیں۔
پھر سورۂ لقمان میں بتایا:۔
لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ ۔ لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر۔
لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۔ زمین میں اکڑ کر نہ چل۔
وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۔ اپنی چال معتدل رکھ اور اپنی آواز پست رکھ۔
پھر سورۂ توبہ میں مزید خدوخال نمایاں کیے:۔
اَلتَّآئِبُوْنَ ۔ توبہ کرنے والے۔
اَلْعٰبِدُوْنَ ۔ عبادت کرنے والے۔
اَلْحٰمِدُوْنَ ۔ خدا کی حمد کرنے والے۔
اَلسَّآئِحُوْنَ ۔ خدا کی راہ میں سفر کرنے والے۔
اَلرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ ۔ رکوع و سجود کرنے والے۔

اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ نیکی کا حکم دینے والے اور بدی سے روکنے والے۔
اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ۔ حدودِ الٰہی کی حفاظت کرنے والے۔

غرض اس طرح قرآن و حدیث کے صفحات میں جابجا داعی حق مومن کے کردار کی حسین و جمیل جھلکیاں بکھری ہوئی ہیں جنہیں آسانی سے چُن چُن کر داعیٔ دعوت حق کے خوشنا کردار کا ایک عمدہ گلدستہ تیار کیا جا سکتا ہے۔

داعی حق کی عملی تربیت ایک داعی حق صرف الفاظ کے طوطا مینا بنانے کے لیے نہیں اُٹھتا بلکہ وہ انسانی زندگیوں میں خوشگوار اصلاحی انقلاب برپا کرنے کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ اس لیے اس کا حقیقی میدان عمل کا میدان ہے۔ وہ انسانی زندگیوں کی کھیتی میں اپنی اصلاح کے بیج بوتا ہے اور خوشگوار اخلاق و کردار کی فصل اُگاتا ہے۔ اس کے ذریعے انسانیت عملی طور پر فلاح کا راستہ اختیار کرتی ہے۔ وہ کوئی راہب نہیں ہوتا کہ خاموشی سے گوشہ نشینی کا راستہ اختیار کرے۔ وہ کوئی جوگی نہیں ہوتا کہ کسی پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھ کر شانتی کو تلاش کرتا ہے۔ وہ کوئی تارک الدنیا فقیر و درویش نہیں ہوتا کہ جس دُنیا میں اس کے خدا نے اُسے امتحان کی خاطر اُتارا ہے اس امتحان گاہ سے خاموشی کے ساتھ کھسک کر ایک کونے میں جا لگے اور وہاں ساری زندگی گذار دے۔ وہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مخاطب ہوتا ہے کہ:۔

"تم میں جو کوئی بدی دیکھے تو لازم ہے کہ اُس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے، اور اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو زبان سے ہی سہی۔ اگر اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو کم از کم دل میں اس کو بُرا سمجھے اور اُس کو مٹانے کی خواہش رکھے کیونکہ یہ ایمان کا کم از کم درجہ ہے۔ جس دل میں بدی کے خلاف یہ نفرت بھی نہ ہو اس میں رائی بھر بھی ایمان نہیں۔"

اسی لیے قرآن نے صاف صاف حکم دیا ہے کہ:۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ	"تم میں سے ایک ایسی جماعت تو ضرور ہی ہونی چاہیے
اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	جو نیکی کی طرف بلاتی ہو۔ اچھے کام کا حکم دیتی
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ	ہو اور بُرے کام سے روکتی ہو اور فلاح پانے
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (آل عمران)	والے یہی لوگ ہیں۔

یہ ہدایات ایک داعی حق کو واضح طور پر میدان عمل میں کام کرنے کا حکم دیتی ہیں۔

۱۔ اصلاح خلق کی عملی جدوجہد ایک داعی حق کی تربیت کا پہلا عملی ذریعہ یہ ہے کہ وہ اس کام کو سرانجام دے جس کو وہ حق سمجھتا ہے۔ درحقیقت وہ اس وقت تک اپنی دعوت کے فطری نتائج سے دوچار نہیں ہوتا جب تک وہ میدان میں آ کر بندگانِ خدا کے سامنے عملی طور پر دعوتِ حق پیش نہ کرے۔ اس اقدام کے ساتھ ہی اس سے تعاون کرنے والے دوستی کے ہاتھ بھی ہوں گے جو اس کے رفیق ہوں گے، اور مزاحمت کرنے والے ظالم ہاتھوں سے بھی واسطہ پڑے گا جو اس کا راستہ روکیں گے۔ یوں عملی جدوجہد کے ساتھ ہی اُسے رفاقت کے لطف اور مزاحمت کی اذیت سے دوچار ہونا پڑے گا اور یہی دونوں احوال اس کی تربیت کے لیے کافی ہوں گے۔ دوستوں سے مل کر وہ کام کا نقشہ بنا سکے گا اور مخالفوں کی مزاحمتوں کے توڑ کی تدبیر سوچے گا اور ان کے مظالم پر صبر کی مشق کرے گا۔ اس طرح اس کے اندر عزم و ارادہ پرورش پائے گا اور آزمائش کی بھٹی سے گذر کر وہ سونا ہو جائے گا۔

اس جدوجہد میں اس کے قریبی عزیز اور ہمدرد بھی اس کا راستہ روکیں گے تاکہ وہ اپنے دنیوی مستقبل کو خراب نہ کرے، اور اس کے مخالف بھی اس کا راستہ روکیں گے تاکہ وہ اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہو۔ یہ صورتِ حال اس کی تربیت کے لیے ماحول کا ایک عمدہ تربیتی سانچہ فراہم کر دے گی جس میں ڈھل کر وہ ایک کامیاب داعی حق بن جائے گا۔

۲۔ صحبت صالح داعئ حق کی تربیت کا دوسرا عملی ذریعہ صحبت صالح ہے۔ اسے بُرے لوگوں کی صحبت و رفاقت اور محبت و الفت سے دست کش ہو کر اچھے، خدا ترس اور نیک لوگوں کی محبت و ہم نشینی اختیار کر لینی چاہیے تاکہ اس پر باطل کی ہم نشینی کے ناگوار اثرات نہ پڑیں اور اس کو باطل باتوں اور لغو حرکات کو برداشت کرنے کی عادت نہ پڑ جائے اور اس میں مداہنت پرورش نہ پائے۔ وہ ہم خیال اور نیک لوگوں کی مجلس سے خود بھی مستفید ہوگا اور ان کو بھی حق کی پشت پناہی پر آمادہ کر سکے گا۔ اگر ایک نمازی آدمی بے نماز لوگوں کی مستقل رفاقت اختیار کرے تو وہ ضرور ہی آہستہ آہستہ نمازوں میں کوتاہی کا شکار ہوتا چلا جائے گا اور اس کے ہم نشین اس کے لیے نماز قائم کرنے میں مددگار ہونے کے بجائے کوتاہی کرنے کا باعث بنتے چلے جائیں گے۔ اس لیے ایک داعئ حق کی اخلاقی تربیت کا ذریعہ نیک لوگوں کی مجلس و رفاقت ہے نہ کہ بُروں کی ہم نشینی۔ اور جب نیکی ایک جماعت کی صورت اختیار کر کے کام کرتی ہے اس صورت میں وہ زیادہ موثر اور نتیجہ خیز ہوتی ہے۔ ویسے بھی اسلام نے مسلمان کو نیکی کا حکم دینے والوں کی ایک جماعت بن کر کام کرنے کا

حکم دیا ہے جس طرح کوئلوں کے پاس بیٹھنے والا سیاہی سے نہیں بچ سکتا اور پھولوں کے درمیان بیٹھنے والا ان کی خوشبو اپنے لباس میں سمیٹ لیتا ہے اسی طرح انسان پر صحبتِ نیک و بد کا اثر ہوتا ہے۔ نیک لوگوں کے اجتماعات میں شرکت نیکی کرنے کا ذریعہ اور نیکی کی دعوت پھیلانے کا باعث بن جاتی ہے۔ اس کے علاوہ نیک لوگ باہم ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں۔ اس طرح اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ باہمی اصلاح کا عمل بھی جاری رہتا ہے۔ اور اگر کوئی ان میں سے گرتا نظر آتا ہے تو دوسرا اُسے سنبھالتا ہے۔ ایک کے پائے استقامت میں اگر لغزش آتی ہے تو دوسرا آگے بڑھ کر اُسے تھام لیتا ہے۔ ایک کے دامن کا دھبہ دوسرا صاف کر دیتا ہے اور اگر دوسرے کا دامن آلودہ ہو رہا ہو تو وہ اسے پاک کر دیتا ہے۔ ایک کی فلاح دوسرے کی رہنمائی کا باعث بنتی ہے اور ایک اگر اپنی عاقبت سنوارنے کا اہتمام کرتا ہے تو دوسرا اس کی مدد کرتا ہے۔ اگر ایک کی کوئی بات دل کو کھٹکتی ہے تو دوسرا احسن و خوبی کے ساتھ اس کی توجہ دلا دیتا ہے۔ اس طرح آہستہ آہستہ پورا اجتماع باہمی خیر و خوبی کا تبادلہ کر کے حسن و خوبی کا مرقع بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر ایک داعیٔ حق کسی صحابی یا بزرگ کو اپنا آئیڈیل بنا کر اس کی خوبیوں کو اپنے اندر پرورش کرنے کا اہتمام کرے تو اس سے بھی تربیت اور کردار کی اصلاح میں بڑی مدد ملتی ہے۔

۳۔ اپنے سے بہتر لوگوں پر نظر تربیت و اصلاحِ کردار کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اپنے احباب و رفقا میں جو شخص اخلاق و کردار اور دینداری اور تقویٰ میں اپنے سے بہتر ہو اس پر نظر رکھی جائے اور اس کی خوبیاں اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی جائے۔ ایک داعیٔ حق کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ دنیوی اُمور میں اپنے سے کم تر کی طرف دیکھے تاکہ ان نعمتوں اور بھلائیوں پر اللہ کا شکر ادا کر سکے جو اس نے دوسروں سے زیادہ اُسے عطا کی ہیں اور دینی اُمور میں اپنے سے بہتر کی طرف دیکھے تاکہ اپنی کوتاہیوں کا احساس کرے اور اپنے اخلاق و کردار کا اس سے موازنہ کر کے نیکی کے راستے میں آگے بڑھ سکے۔ دوسروں کی خوبیوں کو اپنائے اور اپنے آپ کو سنوارنے کی تگ و دو کرے۔ اگر انسان غور سے دیکھے تو صاف دکھائی دے گا کہ اس کے چاروں طرف اس کے مختلف ساتھیوں میں اخلاق و کردار کے عمدہ عمدہ پھول کھلے ہوئے ہیں۔ کسی میں خدا ترسی ہے، کسی میں خوش خلقی ہے، کسی میں خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے اور انفاق فی سبیل اللہ کرنے کا جذبہ ہے۔ کسی میں عبادت کا شغف ہے۔ کوئی ذکر و اذکار میں منہمک ہے۔ کوئی خلقِ خدا کی ہمدردی، خیر خواہی اور خدمتِ خلق میں آگے ہے۔ کوئی شفقت، نرم دلی، خوش خلقی، اور خوش مزاجی میں منفرد ہے۔ کوئی راتوں کا تہجد گزار

ہے اور کوئی دن کا مجاہد فی سبیل اللہ اور دعوتِ حق کی راہ میں سرگرم و سبک رفتار ہے۔ ایک داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آس پاس بکھری ہوئی اُن خوبیوں کو سمیٹ سمیٹ کر اپنے کردار میں جمع کرتا جائے تاکہ وہ خود بھی ان ساری خوبیوں کا ایک دلآویز گلدستہ بن جائے۔

۴۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام داعیِ حق کی تربیت کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے کہ وہ خلقِ خدا کے اندر بالفعل نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے اور اس کام میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اور کسی خوف دلانے والے کے خوف سے نہ دبے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم پر لازم ہے کہ نیکی کا حکم دو۔ بدی سے روکو اور بدکار کا ہاتھ پکڑ لو اور اُسے حق کی طرف موڑ دو۔ ورنہ اللہ تمہارے دل کی بُرائیاں ایک دوسرے پر مسلط کر دے گا یا تم پر اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح اس نے بنی اسرائیل پر کی۔" ترمذی

اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ مسلمانوں میں خیر کی شمع کو روشن رکھنے اور شر کی ظلمت کو دفع کرنے کا اہتمام جاری رہنا اشد ضروری ہے۔ اگر یہ کام نہ کیا جائے تو پھر ایسے لوگوں کا اللہ کے عذاب سے بچ نکلنا سخت مشکل ہے۔

۵۔ معاشرہ۔ تربیت و اصلاح کا سانچہ جب کوئی شخص دعوتِ حق لے کر اُٹھتا ہے تو صرف یہی نہیں ہوتا کہ تنہا وہی معاشرے کی اصلاح کا کام کرتا ہے بلکہ خود معاشرہ بھی اس کے اندر معمولی سے معمولی کمزوری اور لغزش کی نشاندہی کر کے اُسے ٹھیک ٹھیک اصلاح و درستی کے معیارِ مطلوب پر قائم ہونے اور قائم رہنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ایک داعیِ حق اس بات کی طرف معاشرے کو لانے میں کامیاب نہیں ہوسکتا جس بات کا وہ خود اہتمام نہ کرتا ہو اور اُس خرابی سے وہ کسی دوسرے کو بچا نہیں سکتا جس خرابی سے وہ خود بچنے کا اہتمام نہ کر رہا ہو۔ اسی طرح جونہی وہ اپنی دعوت لے کر اُٹھتا ہے ہر طرف سے خورد بینیں اس کے ایک ایک کام اور اس کی ایک ایک حرکت پر لگ جاتی ہیں اور اگر اس میں ذرا بھی ٹیڑھ ہو تو اُسے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی داعی کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ بہت سی خرابیاں اپنے اندر لے کر معاشرے کی اصلاح کے لیے نکل کھڑا ہو۔ معاشرہ اس کے قول و فعل کو یکسو کر کے چھوڑتا ہے۔ یا تو اُسے اپنے قول کے مطابق خود ہی ڈھلنا پڑتا ہے یا پھر اسے اپنے قول سے ہی باز آجانا پڑتا ہے۔ اس لیے انسانی معاشرہ دعوتِ حق پیش کرنے والے کے لیے خود بھی ایک محتسب بن کر اس کی درستی اور راستی کا

ضامن بن جاتا ہے۔ کبھی معاشرے کی تنقید سے اور کبھی اس کی مزاحمت اور آزمائش سے داعیٔ حق اپنے کردار کی ہر کجی کو دُور کر دیتا ہے اور بالآخر وہ اپنی دعوت کے لیے مخلص اور بے لوث ہو کر رہتا ہے۔ اس طرح داعیٔ حق کے لیے معاشرہ خود ایک تربیتی ماحول اور اصلاح کا سانچہ فراہم کر دیتا ہے۔

۶۔ **نظامِ حق کے غلبہ کی جدوجہد** تمام ذرائع تربیت میں داعیٔ حق کی اخلاقی تربیت کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ وہ اُس نظامِ حق کے غلبہ کے لیے عملی طور پر جدوجہد کا آغاز کرے جس کی حقانیت کی گواہی وہ اپنے قول و فعل سے دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حق کے علمبردار کی اخلاقی تربیت کے بھی مختلف مدارج ہیں، جس طرح حدیث کی رُو سے ایمان کے مختلف درجے ہیں۔ اگر منکر کو قوت سے روکنا ایمان کا پہلا درجہ ہے تو منکر کو روکنے والی قوت کی فراہمی یعنی اقامتِ دین کی جدوجہد بھی ایک داعیٔ حق کا پہلا اور مقدم فرض ہے جس سے پہلو تہی کر کے اس کے دوسرے اعمال کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے۔ جب تک یہ نیت نہ ہو کہ خدا کا کلمہ بلند کرنا ہے اور جب تک پیشِ نظر یہ منزل نہ ہو کہ دینِ حق کو ساری دنیا میں غالب کرنا ہے اس وقت تک ایک داعیٔ حق کی سیرت کا پورا پورا ظہور نہیں ہوتا اور اس کے سارے گوشے نکھر کر سیرت کی تکمیل نہیں ہوتی۔

بلاشبہ یہ ضروری ہے کہ ایک داعیٔ حق میں ایمان کے سارے پہلو اور سارے مدارج موجود ہوں اور وہ اس کا اہتمام کرے۔ جس طرح خدا پر ایمان، رسولوں پر ایمان، آخرت پر ایمان، اور ایمان کے دیگر تمام گوشوں کو ہمہ پہلو مکمل کیے بغیر ایمان کے حقیقی تقاضے پورے نہیں ہوتے اسی طرح زبانی ایمان کا اعتراف ہی کافی نہیں بلکہ اپنے آپ کو پورے طور پر اللہ و رسول کا مطیع فرمان بنا دینا اور ان کے احکام پر سر جھکا کر بلا چوں و چرا چل پڑنا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ ورنہ ایمان بلا عمل تو نفاق کا مظہر بن جاتا ہے۔ ایمان کے تقاضوں کے مطابق عمل کا نام ہی حقیقی اسلام ہے۔ یعنی عملی اطاعت کا زندگی کے ہر ہر گوشے میں مظاہرہ کرنا ہی سچا اسلام ہے۔ پھر یہ مظاہرۂ اطاعت بھی ایسا ہو کہ جس میں احساس و شعور و ضابطے و تقاضے حکم کا پورا پورا التزام و اہتمام موجود ہو۔ جس میں خدا کا خوف صاف صاف جھلکتا ہوا دکھائی دے۔ جس میں رسول اکرمؐ کی محبت نمایاں طور پر موجود ہو۔ جس میں مومن اپنے پورے احساس ذمہ داری سے دینِ حق کی پیروی کا اہتمام کرے اور پورے طور پر تابع فرمانِ الٰہی ہو جائے۔ جو حکم وہاں سے ملے اس پر چل پڑے جس چیز سے روک دیا جائے اس سے رُک جائے۔ اور اس میں اس کی اپنی خواہش اور مرضی کا دخل نہ رہے بلکہ وہ پورے طور پر خدا اور رسولؐ کی مرضی کا تابع ہو جائے۔

پھر اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ وہ ضابطہ کے مطابق مرضیِ الٰہی کا تابع ہو جائے۔ بلکہ اس میں اپنے مالک کے احکام اور اپنے آقا کے ارشادات کے ساتھ ایسا والہانہ لگاؤ پیدا ہو جائے کہ اُن کے خلاف وہ کوئی دوسرا راستہ سوچ بھی نہ سکے۔ اس میں احکامِ الٰہی پر چلنے کے لیے والہانہ پن پیدا ہو جائے۔ جب تک اس کے مالک کا کلمہ بلند نہ ہو اس کے دل میں ایک لگن اور اس کے دماغ میں ایک ہر وقت اضطراب موجود رہے۔ وہ خدا کے دشمنوں کے خلاف مسلسل اور پیہم تبلیغ و تلقین سے لے کر جان و مال کی قربانی تک ہمہ تن جدوجہد میں مشغول رہے۔ جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو پھر اس میں داعیٔ حق کی وہ صفات نمودار ہوتی ہیں جو اس راستے میں مطلوب ہیں۔ پھر وہ کسی کے اُبھارنے اور اُکسانے کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ خود کار مشین کی طرح اپنے مالک کے راستے پر آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کا وجود اللہ کی آیات میں سے ایک آیت بن جاتا ہے۔

کیا خوب کہا تھا ایک بزرگ نے کہ:۔

"جب میں اپنے مالک کی اطاعت سے ذرا بھی انحراف کرتا ہوں تو اس کا اثر اپنے بیٹے کی گستاخی، اپنی بیوی کی غفلت، اور اپنی سواری کی سرکشی میں صاف دیکھ لیتا ہوں"

بلاشبہ تبلیغِ دین ایک انسان سازی کا پُر حکمت کام ہے اور اس میں پھوہڑ طریقے سے کام نہیں کیا جا سکتا۔ جو لوگ انسانی نفسیات کا لحاظ کیے بغیر صرف جبر و تشدد طعن و تشنیع اور ملامت و نصیحت سے ٹیڑھے دلوں کو سیدھا کرنا چاہتے ہیں وہ بالعموم دلوں کو توڑ دیتے ہیں لیکن انہیں سیدھا نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ دل کا دروازہ اندر کی طرف ہے اور اسے جب تک گھر کا مکین خود اندر سے نہ کھولے باہر کے کسی جبر سے اُسے کھولا نہیں جا سکتا۔ تبلیغ کا کام حکمت کا کام ہے اس کام کو احسن طریقہ سے ہی انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ	اللہ کے راستے کی طرف، حکمت اور عمدہ نصیحت کے
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ	ساتھ دعوت دو اور بحث مباحثہ بھی احسن طریقہ
بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔	سے کرو۔

البتہ ایک داعیٔ حق کے لیے یہ جاننا بھی بہت ضروری ہے کہ انسانوں کی تربیت کو بگاڑنے والی اور تبلیغ کی تاثیر کو خراب کرنے والی کونسی چیزیں ہیں۔ اگرچہ وہ بہت سی باتیں ہیں لیکن ان میں بے صبری سب سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ جلد بازی اس سے بھی زیادہ مضر ہے۔ اور سخت کلامی، درشت مزاجی،

اور تشدد بیان تو سب سے زیادہ مہلک ہے۔ اسی طرح اسے یہ بھی جاننا چاہیے کہ کیسے لوگ ہوتے ہیں جو دعوت دین سے بے نیاز اور لاپروا ہوتے ہیں اور بالعموم حق کی علمبرداری کے لیے آگے بڑھنے کے لیے نہ تیار ہوتے ہیں اور نہ اس کی ضرورت کے قائل ہوتے ہیں۔ دنیا کی محبت میں اندھے لوگ، اقتدار کے نشے میں سرشار لوگ، مفاد پرستی میں مبتلا لوگ، آرام و راحت کے دلدادہ لوگ، اور خوف آخرت سے بے نیاز لوگ، ان میں سرفہرست ہیں۔ یہ لوگ حق کے کسی کام کے نہیں ہوتے اور داعیٔ حق کے لیے ان کا وجود کسی درجے میں بھی ممد و معاون ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح سے یہ بھی جاننا چاہیے کہ کیسے لوگ ہوتے ہیں جو انسانی معاشرے میں زیادہ آسانی سے دعوت حق کو قبول کر کے اس کے علمبردار بن جانے اور حق کی پشت پناہی کے لیے اپنا سب کچھ لگانے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ان میں وہ سعید الفطرت لوگ جو بات چیت سے ہی راہ راست قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں، وہ غور و فکر اور سوچ بچار کے عادی لوگ جو ہر بات کی گہرائی تک پہنچنا ضروری سمجھتے ہوں، وہ حساس لوگ جو حوادث سے عبرت پکڑنے والے ہوں، طالب حق اور راہ راست کے متلاشی لوگ، آیاتِ الٰہی پر غور و فکر کرنے والے لوگ، سچ بولنے والے لوگ، راست فکری کے عادی لوگ، باہمت، جری اور بہادر لوگ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک داعیٔ حق ان اقسام کے لوگوں میں اپنی دعوت پہنچا کر زیادہ تعداد میں اپنے ساتھی فراہم کر سکتا ہے۔

اگر ان علمی تربیت کے اصولوں کو داخلی اصلاح و تیاری کے لیے اور عملی تربیت کے اصولوں کو خارجی تربیت و اصلاح کے لیے استعمال کیا جائے اور ساتھ ہی بگاڑ کی بیشتر صورتوں سے مکمل اجتناب اور پرہیز بھی کیا جائے تو وہ مناسب اخلاقی اور روحانی تربیت حاصل ہو جاتی ہے جس کی مدد سے دینِ حق کی تبلیغ و اشاعت اور اقامت و سربلندی کا کام آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس سے ہرگز یہ نہ سمجھا جائے کہ جب تک کوئی شخص یہ صفات اپنے اندر پیدا نہ کرے وہ تبلیغ کے میدان میں نہیں نکل سکتا۔ یہ تو ایک اصولی اور مثالی معیار ہے جو بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ تبلیغ کے لیے نکلنا ہر مومن کا فرض ہے اور فرض کی ادائیگی کے لیے ہر شخص اُسی صلاحیت کا مکلف ہے جو اُسے حاصل ہو۔ اس کی کوشش کو قبول کرنے والا مالک بے حد رحیم و کریم ہے۔ وہ تو اتنا مہربان ہے کہ اُس کا جو بندہ اُس کی طرف چل کر جاتا ہے تو وہ اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے اور جو بندہ اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہے وہ اس کے درجات فرشتوں سے بھی زیادہ بلند و بالا کر دینے والا آقا و مولیٰ ہے اس کی مہربانیوں اور بندہ نوازیوں کا بھلا کون احاطہ کر سکتا ہے۔

(بقیہ اشارات) قصہ ہائے پارینہ بن کر رہ جاتے ہیں جن کی نئے دَور میں کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ افسوس ہے کہ اس گمراہ کن نظریہ پر کوئی گرفت نہ کی گئی بلکہ حکومت کے نشریاتی اداروں نے اِس نظریہ کی بڑی پذیرائی کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور آپؐ کے بلند مرتبہ و مقام کے بارے میں اِس باطل نظریہ کی اشاعت سے حکومت کی گہری دلچسپی سخت تکلیف دہ ہے خصوصاً جب کہ پاکستان کے عوام اِس بات سے بھی پوری طرح باخبر ہوں کہ سرکاری ذرائع ابلاغ پر جو لوگ اِس وقت قابض ہیں اُن کی اکثریت دن رات اشتراکیت کے اِس فلسفہ کا پرچار کرتی ہے کہ ہر دَور کا اپنے مخصوص تقاضوں کے تحت اپنا قرآن ہوتا ہے۔ دُنیا میں کوئی ایک شخصیت بھی ایسی نہیں جس کی زندگی اور اس کی پیش کردہ تعلیمات سے قیامت تک انسانیت رہنمائی حاصل کرتی رہے۔ یہ گمراہ کن خیالات پہلے تو صرف چند افراد تک محدود تھے لیکن اب چونکہ ان کا دبے لفظوں میں اظہار کبھی کبھی ایوانِ اقتدار سے بھی ہوتا رہتا ہے اس لیے سیرت کانفرنس میں جب انہیں باضابطہ پیش کر کے مُلک اور بیرونِ مُلک نشر کرنے کا التزام کیا گیا تو لوگوں کے ذہنوں میں فطری طور پر یہ خدشات اُبھرنے لگے کہ کہیں ہمارے ملک میں حضورؐ کی محبت اور عقیدت کے نام پر حضورؐ کی رسالت اور آپؐ کی ہدایات کو وقتی تقاضوں سے محدود کرنے کی کوشش تو نہیں کی جا رہی۔

اگر اِس کانفرنس کے منتظمین اور حکومت کے بعض ذمہ دار افراد کی طرف سے پروفیسر واٹ کے اِن خیالات کی تردید ہو جاتی یا کم از کم اِن کی اشاعت کو روک دیا جاتا تو پاکستان کا ایک عام شہری یہ سمجھنے میں کسی حد تک حق بجانب ہوتا کہ یہ ایک غیر مُسلم مُستشرق کے ذاتی خیالات ہیں جن کو کسی طرح بھی حکومت کی تائید حاصل نہیں۔ لیکن عوام کو ایک تو ان خیالات کی اشاعت سے سخت صدمہ ہوا، دوسرے وزیرِ اعظم صاحب نے اس مقدس تقریب کے آخری اجلاس میں جن خیالات کا اظہار فرمایا، خصوصاً اسلام کے ایک نہایت ہی اہم شعار پر وہ کو جس طرح ہدفِ تنقید بنایا اور اُسے ایک رَجعت پسندانہ رسم قرار دیتے ہوئے اُس کے خلاف جس انداز اور جس لب و لہجہ میں گفتگو کی اور اپنے اِن غیر اسلامی خیالات کا جس جوش کے ساتھ بلوچستان کی ایک تقریب میں اعادہ کیا اُس سے ان کی اسلام سے محبت اور شیفتگی کے بارے میں کوئی اچھا تاثر قائم نہیں ہوتا اور انسان اس کھُلے تضاد پر غور کرنے لگتا ہے جو اُن کی اسلام سے عقیدت مندی کے بلند بانگ دعاوی اور ان دعاوی کے ثبوت میں سیرت کانفرنس جیسی مقدس تقریب کے انعقاد، خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کے واجب الاحترام

امامین کے پاکستان میں دوروں کے سرکاری انتظامات اور ان بزرگ ہستیوں کے سامنے کتاب اللہ کے ساتھ نہایت ہی جذباتی انداز سے اپنی محبت کے اظہار اور پھر پردہ کو قید سے تعبیر کر کے عورتوں کو اس سے آزاد ہونے کی ترغیب و تلقین کے درمیان پایا جاتا ہے۔ ان متضاد باتوں کو دیکھتے ہوئے انسان کے سامنے وہی نقشہ گھومنے لگتا ہے جسے قرآن مجید نے تنبیہہ کے طور پر بیان فرمایا ہے:۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا۔

تمہاری حالت اُس عورت کی سی نہ ہو جائے جس نے آپ ہی محنت سے سوت کاتا اور پھر آپ ہی اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

قرآن مجید

کا

انگریزی ترجمہ مع توضیحی حاشیے

از

عبد الحمید صدیقی

تیسرا پارہ چھپ کر بازار میں آگیا ہے

ھدیہ فی پارہ :- ۱۲/۵۰ روپے

مستقل خریداروں کے لیے دس روپے

ملنے کا پتہ

اِدارہ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

اِدارۂ معارف اسلامی کراچی

کے

زیر اہتمام

علامہ یوسف القرضاوی کی فکر انگیز تصنیف

الایمان والحیات

کا

ترجمہ و تلخیص

از

عبد الحمید صدیقی

شائع کردہ :- اسلامک پبلشنگ ہاؤس

شیش محل روڈ - لاہور

قیمت :- دس روپے

ملنے کا پتہ

اِدارۂ ترجمان القرآن - اچھرہ - لاہور